۳

کیا حماس جیت رہی ہے؟

ڈینیل بے مین

خلاصہ

حماس ایک کمزور سی تنظیم تھی لیکن پچیس سال کے اندر اس نے کایا پلٹ دی اور وہ غزہ میں متوازی حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کا موقف کہ اسرائیل سے امن مذاکرات محض دھوکہ ہیں اور آزادی کی کنجی مسلح جدوجہد ہی ہے، اب جواز حاصل کر چکا ہے۔ قطر، ترکی اور ایران نے بھی حماس کی مدد کی ہے۔ حماس دعویٰ کرتی ہے کہ بین الاقوامی برادری اور اسرائیل غزہ میں نقصان کے ذمہ دار ہیں اور یہ کہ اس کی طرف سے تشدد کا استعمال اسرائیل کو بہتر رعایتیں دینے پر مجبور کر رہا ہے۔ فلسطینی اتھارٹی میں امریکہ اور مغربی اتحادیوں نے بدعنوانی کے مسئلہ کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ عوام اس سے تنگ تھے۔ حماس نے کرپشن سے پاک انتظامیہ دینے کا عہد کافی حد تک نبھایا ہے۔ پوری عرب دنیا میں عرب نیشنل ازم نہیں، سیاسی اسلام عروج کی جانب مائل ہے۔ اسرائیل کی اصل توجہ مسلسل اور بہتر سکیورٹی پر ہونی چاہیے اور اسے ہی معاہدے کی پیشگی شرط یا اصل روح ہونا چاہیے۔ اگر امن مذاکرات میں قابل ذکر پیش رفت دیکھنے میں نہ آئی تو تشدد کے پیغام کو اعتبار ملے گا۔ فلسطینیوں کی نظر میں حماس کی یہ دلیل کہ مذاکرات نہیں بلکہ طاقت رعایتیں دلاتی ہے، اب مسلسل سچ ثابت ہو رہی ہے۔

حماس کے ارکان ''چیونٹیاں'' ہیں۔ فلسطین کی قومی جدوجہد کے بانی اور طویل عرصے تک رہنے والے رہنما یاسر عرفات نے ۱۹۹۰ء میں اپنی ایک نجی تقریر کے دوران یہ اعلان کیا۔ انہوں نے

مزید کہا کہ اس کے عہدیداروں کو اپنے بلوں میں چھپے رہنا چاہیے یہاں تک کہ الفتح کے جنگجو انہیں کچل دیں۔[1] عرفات کا دعویٰ درست ثابت ہوا۔ الفتح نے عشروں تک علاقے پر حکومت کی اور جب دسمبر ۱۹۸۷ء میں حماس پہلی انتفاضہ تحریک کے طور پر سامنے آئی تو اسلامی تنظیم ڈانواں ڈول تھی۔ چند غیر مؤثر حملوں کے بعد، اسرائیل نے فوراً ہی حماس کے ۱۰۰۰ سے زائد ارکان گرفتار کر لیے جن میں ان کی چوٹی کی قیادت شامل تھی۔[2] ۱۹۸۹ء میں، غزہ میں، جہاں حماس بعد میں مضبوط ترین قوت بن کر ابھری، تین فیصد سے بھی کم فلسطینیوں نے حماس تنظیم کی حمایت کی۔[3] صحافی ذکی شہاب نے یہ دعویٰ کیا کہ جب انتفاضہ کا خاتمہ ہوا تو حماس کے عسکری ونگ کے پاس محض بیس مشین گنیں تھیں۔[4] ایسا لگا کہ الفتح ہی فلسطین کی تحریک آزادی میں غالب قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آئے گی۔

صرف پچیس سال بعد حماس نے کایا پلٹ دی اور وہ غزہ میں متوازی حکومت بنانے میں کامیاب ہوئی اور الفتح پر سبقت لیتے ہوئے فلسطینی عوام کی آواز بن کر ابھری۔ اس سے قطع نظر کہ آپ اس کامیابی کو کس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں ___ عرب اور مسلم ریاستوں کی طرف سے تسلیم کیا جانا، اسرائیل کے ساتھ تعلقات اور سب سے بڑھ کر الفتح کے مقابلے میں اس کی پوزیشن ___ حماس فتح مند ہو کر ابھر رہی ہے۔ اسرائیل، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور بین الاقوامی برادری کو اس تلخ حقیقت کو قبول کر لینا چاہیے کہ حماس جیت رہی ہے اور اس صورت حال کو واپسی کا راستہ دکھانے میں شاید کافی دیر ہو چکی ہے۔

فلسطینیوں کا عنقا (روایتی عرب پرندہ Phoenix)

حماس کا ابھرنا ایک ایسی متحرک تنظیم کی نشاندہی کرتا ہے جس نے اپنے سب سے بڑے فلسطینی مخالف الفتح اور اپنے جانی دشمن، اسرائیل کی غلطیوں سے فائدہ اٹھایا۔ ہر مرحلے پر حماس حیران کن طور پر شکست کے دہانے سے فتح مند ہو کر ابھری۔ اب یہ کہیں زیادہ مضبوط اور محمود عباس جو الفتح کے ایسے سربراہ ہیں جو ۲۰۰۴ء سے فلسطین کی تحریک آزادی کی قیادت اور ۲۰۰۵ء سے فلسطینی حکومت کی

سربراہی کررہے ہیں ___ کی بے اختیار حکومت کی جگہ لینے کے لیے تیار نظر آتی ہے۔

۱۹۹۳ء میں فلسطینی اتھارٹی کی جانب سے محدود فلسطینی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ جس میں حماس اور الفتح نے مختلف سیاسی گروہوں کی نمائندگی کی۔ حماس نے اپنے آپ کو رد کرنے کی آواز کے طور پر پیش کیا، جس نے اسرائیل کے وجود، اس کو تسلیم کیے جانے اور اس کے ساتھ مذاکرات کرنے کی سخت مخالفت کی۔ حماس کے دہشت گردانہ حملوں نے مذاکرات اور بات چیت شروع کرنے کی کوششوں کے حوالے سے اسرائیل کے شکوک وشبہات کو جنم دیا۔ حماس نے خود حکومتی دور کا آغاز کیا تو یہ غیر معروف تنظیم تھی۔ تاہم اس نے اپنے اسرائیل مخالف موقف سے اس وقت فائدہ اٹھایا جب ۲۰۰۰ء میں مذاکرات بالکل ناکام ہوگئے اور دوسری انتفاضہ کا آغاز ہوا۔ اگرچہ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں حماس کے خلاف اسرائیل اور الفتح کی کارروائیوں سے حماس تنظیمی طور پر کمزور ہوگئی تھی تاہم اس کا یہ پیغام کہ مذاکرات محض دھوکہ ہیں اور مسلح جدوجہد ہی آزادی کی کنجی ہے ___ کو اب جواز حاصل ہوگیا۔ جبکہ اس کی طرف سے خودکش بم دھماکوں نے یہ ثابت کردکھایا کہ وہ جنگ کو اسرائیل کے اندر تک لے جا سکتی ہے۔ دیگر فلسطینی، جو دہشت گردی کے خلاف تھے وہ الفتح کی بدعنوانیوں سے بے زار تھے، انہوں نے حماس کے ہسپتالوں، اسکولوں اور دیگر سماجی خدمات کو سراہا۔

جوں جوں تشدد بڑھتا گیا، حماس کی حمایت میں اضافہ ہوتا چلا گیا، لیکن عملاً اب بھی وہ انتفاضہ کا دوسرا دور شروع کرنے میں ناکام رہی۔ اپنے رہنماؤں کی گرفتاریوں اور ہلاکتوں کے نقصانات اور عام فلسطینی کے اس متشددانہ پالیسی کے حوالے سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہونے سے ۲۰۰۵ء میں حماس نے یک طرفہ جنگ بندی کو قبول کرلیا۔ تاہم اس کی سیاسی ساکھ، شہرت، راست بازی اور تنظیمی قوت نے اسے ۲۰۰۶ء میں فلسطینی قانون ساز کونسل کے لیے ہونے والے انتخابات میں کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اس کے نتیجے میں ۲۰۰۷ء میں ایک مختصر خانہ جنگی شروع ہوئی جس میں الفتح اور حماس دونوں نے خود کو فلسطینی عوام کے سچے نمائندے کے طور پر پیش کیا۔ الفتح نے فلسطینی اتھارٹی پر قبضہ حاصل کیا اور حماس نے غزہ پر کنٹرول حاصل کرکے فلسطینی اتھارٹی کی متوازی حکومت کو مغربی کنارے تک محدود

کر دیا۔ اگرچہ حماس نے حقیقی طاقت حاصل کر لی تھی لیکن غزہ، جس پر وہ حکومت کر رہے تھے، افراتفری کا شکار تھا، اس طرح، اسرائیل نے حماس کو مقید کر لیا۔ صدر حسنی مبارک کے دور میں مصر نے حماس کو محدود کرنے کی حمایت کی جب کہ امن مذاکرات (جو کہ اسرائیل نے صرف محمود عباس کے ساتھ کرنے تھے) کی امید پیدا ہوئی اور بین الاقوامی حمایت نے محمود عباس کو فلسطینی عوام کی بہتر قیادت کا دعویدار ہونے کا موقع فراہم کیا۔

دنیا کے سٹیج پر داخلہ

سال ۲۰۰۷ء میں، حماس کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد، متحدہ فرنٹ نے، جس نے غزہ کو الگ تھلگ کر دیا تھا، نہ صرف اسرائیل اور امریکہ کو شامل کیا بلکہ یورپ اور چوٹی کی عرب حکومتوں کو بھی شامل کر لیا۔ اس اتحاد میں اب دراڑیں پڑ رہی ہیں۔ اعلیٰ سطح کے سفارت کاروں نے، جن میں مصر کے سابق وزیرِ اعظم، امیر قطر، ترک وزیرِ خارجہ اور عرب لیگ کے سربراہ شامل ہیں، حالیہ مہینوں میں غزہ کا دورہ کیا ہے اور ان کی حمایت کا وعدہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ حماس حکومت کے جواز کو تسلیم کیا ہے۔

حماس از خود اس تبدیلی کی وجہ نہیں بنی بلکہ یہ عرب بہار تھی جس نے مشرقِ وسطیٰ کی بنیاد تبدیل کر دی اور حماس کو علاقے کی اصل قوت کے طور پر آگے لے آئی۔ کچھ مخمصوں کے بعد، فروری ۲۰۱۳ء میں حماس نے عرصۂ دراز سے اپنے حمایت یافتہ، شام کے بشار الاسد کو ___ کئی سال تک معاون رہنے کے باوجود چھوڑ دیا۔ اس کے نتیجے میں تہران میں غم و غصہ پایا جاتا ہے جو کہ حماس کو بنیادی عسکری امداد دینے والا اور بشار الاسد کا قریبی اتحادی ہے۔ شام کی حمایت کھو دینے کے بعد، حماس نے شام مخالف حکومتوں جیسے ترکی اور قطر کی حمایت حاصل کی۔ حماس، جو کہ اخوان المسلمون کی حامی ہے، کے ہر جگہ اسلامی تحریکوں کے ساتھ قریبی نظریاتی (اور بعض صورتوں میں ذاتی) تعلقات ہیں، بالخصوص اخوان کے ساتھ ___ امید ہے کہ جمہوریت کے پھیلاؤ سے عربوں کی اسرائیل مخالفت میں کمی واقع ہوگی۔

جیسا کہ صحافی آدم شاتز نے لکھا ہے ''اسرائیل نہیں، بلکہ حماس، عرب شورش کے نتیجے میں 'معمول' پر آئی ہے۔''[۵]

حالات کے معمول پر آنے کے بعد کی یہ حالیہ لہر ۲۰۱۲ء میں حماس اسرائیل تصادم کا نتیجہ ہے۔ مصر میں جنگ بندی سے متعلق مذاکرات میں حماس کو مصر، ترکی، قطر اور (بالواسطہ) اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کرتے دیکھا گیا۔ عباس کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ خالد مشعل جو حماس کے سیاسی ونگ کے سربراہ ہیں، نے کہا کہ ''پہلی مرتبہ حماس کی شرائط پر جنگ بندی ہوئی ہے اور امریکہ کی موجودگی میں ہوئی ہے۔''[۶]

حماس کے لیے بین الاقوامی منظرنامہ بہت حوصلہ افزا نہیں ہے۔ اس تنظیم کو شدید پسپائی کے ساتھ ساتھ پیش قدمی بھی حاصل ہوتی رہی ہے۔ امریکہ سمیت اکثر اقوام اسے ختم کرنے کے درپے ہیں۔ حماس کی امید اس وقت بڑھ گئی تھی جب مصر میں اخوان برسرِ اقتدار آئی لیکن جولائی کی فوجی پیش قدمی ایک دھچکا تھا۔ مصر نے غزہ سرحد کے قریب سکیورٹی سخت کر دی، سرنگوں کو بند کر دیا، یہاں تک کہ غزہ کے ماہی گیروں کی مصری پانیوں میں داخلے پر پابندی عائد کر دی۔ حماس کا اپنے آپ کو فلسطینی عوام کے نمائندے کے طور پر ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے بیرونِ ملک فلسطینیوں کی حمایت حاصل ہو اور اندرونِ ملک بھی یہ اُن پر حکمرانی کر رہے ہوں۔ حماس کے حامیوں کے مابین بھی صورت حال پیچیدہ ہے۔ شام کا ساتھ چھوڑ دینے کی وجہ سے تہران اور اس کے اتحادی لبنانی حزب اللہ کے ساتھ حماس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے ہیں۔ حزب اللہ کے ایک اہلکار نے بتایا کہ ''لبنانی حزب اللہ اور حماس کے درمیان تعلقات اس وقت شامی بحران کے باعث تعطل کا شکار ہیں''۔ حماس نے شام سے جو خیانت کی ہے، اس کے نتیجے میں ایران غزہ میں فلسطین اسلامی جہاد اور پاپولر مزاحمتی کمیٹی جیسے دشمنوں کو امداد دے رہا ہے۔ ایران نے غزہ میں حماس حکومت کو مالی امداد دینا بھی بند کر دیا ہے جس سے غزہ کی پٹی کی پہلے سے موجود ابتر صورت حال مزید خراب ہو گئی ہے۔

لیکن یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ تہران نے مکمل طور پر حماس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ فروری ۲۰۱۲ء میں حماس کے قائد اسماعیل ہانیہ کی پُر جوش تقریر کے بعد جس میں انہوں نے اسد کو تنقید کا نشانہ بنایا، حماس کے ایک اور قائد تہران گئے اور انہوں نے ایرانی حکومت کی تعریف کی۔ جیسا کہ حماس کی ایک شخصیت نے انٹرنیشنل کرائسز گروپ کو بتایا کہ ''حماس کے ایران کو چھوڑ دینے سے متعلق تمام قیاس آرائیاں غلط ہیں۔ کون حماس کو اسلحہ اور تربیت دینے جا رہا ہے؟ قطر؟ ترکی؟ ایران واحد انتخاب ہے''۷ درحقیقت ۲۰۱۲ء میں اسرائیل کے ساتھ تصادم کے بعد غزہ میں بڑی بساط پھیلانے کا اعلان کیا گیا ___ ''شکریہ ایران''۔۸ تہران کے پاس بھی متبادل کم ہی ہیں۔ جیسے ہی بشار الاسد کی پوزیشن کمزور ہوتی ہے، تہران کو عرب دنیا کے ساتھ تعلقات استوار کرنے اور اسرائیل کے مقابلے میں ایک خاص حد تک عسکری برتری قائم رکھنے کے لیے حماس کی زیادہ ضرورت ہوگی۔

اس لیے سفارتی طور پر حماس کو دونوں اطراف سے زیادہ سے زیادہ ملنے کا امکان ہے، تہران سے مسلسل حمایت، لیکن اس سے بھی زیادہ حمایت کی توقع قطر اور ترکی جیسے امریکہ کے اتحادیوں سے ہے۔

اسرائیل کا جنون

حماس عرصے سے اسرائیل کی شدید دشمن رہی ہے لیکن اس نے اسرائیل کو بین الاقوامی حمایت حاصل کرنے اور فلسطینی حریف کے بالمقابل اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لیے ایک ورق کے طور پر استعمال کیا ہے۔ حماس نے خود بھی اسرائیل پر حملے کیے ہیں اور اپنے آپ کو ایک حقیقت کے طور پر منوایا ہے۔

اسرائیل ہمیشہ سے اپنی فوجی برتری کو قائم رکھتا ہے اور اس کے ذریعے مختلف اوقات میں حماس کو مجبور کرنے کی صلاحیت بھی۔ ۲۰۱۲ء کے تصادم میں اسرائیل نے ایک بار پھر اپنے آپ کو مضبوط ثابت کیا ہے اور حماس کے تقریباً تمام دور مار میزائلوں کو تباہ کیا ہے اور اس کے میزائل دفاعی نظام کو

محدود کر کے اسرائیلی نقصانات کو کم کیا ہے۔ تاہم حماس سیاسی طور پر دوبارہ مستحکم ہوئی ہے اگر چہ عسکری اعتبار سے اسے کمزوری کا سامنا کرنا پڑا۔ حماس کے راکٹوں نے اگر چہ صرف چھ اسرائیلیوں کو مارا، تاہم اس بات کا زوردار مظاہرہ کیا کہ حماس کو جھکایا نہیں جا سکتا، اگر چہ غزہ کو خون میں نہلا دیا گیا۔ اسرائیل کی طرف سے راکٹ حملوں کو روکنے کی بیان بازی کے باوجود حماس اس قابل تھی کہ وہ سال ۰۹-۲۰۰۸ء میں ہونے والے اسرائیلی آپریشن ''کاسٹ لیڈ'' کے دوران کارکردگی کے برعکس حالیہ تصادم کے پورے عرصے کے دوران اپنی کارروائیاں جاری رکھ سکے، اس وقت بھی جب اسرائیلی فوج نے حماس فورسز کو تباہ کیا اور غزہ پر کئی ہفتوں تک اپنے معمولی نقصان کے ساتھ شدید حملے کیے۔ تل ابیب اور اسرائیل کے اندر دیگر پناہ گاہوں پر حملوں نے حماس کے اس پیغام کو تقویت دی کہ وہ مضبوط تر ہو رہی ہے۔ حماس نے بم کی پناہ گاہوں کے پیچھے چھپے خوفزدہ اسرائیلی چہروں کو بار بار دکھایا جس سے اس نکتے کو تقویت ملی کہ حماس اسرائیل کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ بین الاقوامی طور پر حماس نے اسرائیل کو ایک وحشی جارح کے طور پر پیش کیا اور بآسانی اس بات کو نظر انداز کرایا کہ عام شہریوں پر اس کے حملوں نے حالیہ جنگ کی بنیاد رکھی۔ مذاکرات کے ذریعے حماس اس قابل بھی ہوئی کہ وہ محاصرہ شدہ علاقے کے لیے ٹھوس بنیادوں پر سہولت حاصل کر سکے جیسا کہ ماہی گیری کے لیے وسیع تر علاقہ اور غزہ میں نئی عمارتوں کے تعمیراتی سامان کی درآمد ___ ان دونوں اہم رعایتوں کا حصول ماضی میں ممکن نہ تھا۔

فی الواقع اسرائیل، اب حماس کو ایک ناخوشگوار حقیقت کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً ۰۹-۲۰۰۸ء کے کاسٹ لیڈ آپریشن میں کچھ اسرائیلیوں نے الفتح کو اسرائیلی دفاعی فورسز کی حمایت کے تحت غزہ لانے کی بات کی، ۲۰۱۲ء میں ایسی کوئی بیان بازی نہیں تھی۔ اس سے بھی زیادہ اہم یہ کہ اسرائیل نے حماس سے مذاکرات کیے (گو کہ مصر کے ذریعے) جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسرائیل دفاعی فورسز کے سارجنٹ گیلاد شالت کی رہائی کے لیے اکتوبر ۲۰۱۱ء میں معاہدہ اپنی نوعیت کا واحد واقعہ نہیں تھا۔ اب جب کہ حماس، اسرائیل کے ساتھ اپنی پوزیشن بہتر بنا رہی ہے، فلسطینی اتھارٹی

کی پوزیشن خراب ہورہی ہے جیسا کہ ایک اسرائیلی اہلکار نے نشاندہی کی، عباس ''غزہ میں اپنے علاقے کا دورہ بھی نہیں کرسکتا...... یہ مضحکہ خیز بات ہے۔''۹

ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ عرب بہار کے نتیجے میں پیدا ہونے والے غصے کے مقابلے میں، ایک اعتدال پسند قوت کے طور پر اسرائیل کو بھی حماس کی ضرورت ہے۔ سینائی میں، جس پر کبھی بھی اچھی طرح حکومت نہیں کی گئی، اب بہت زیادہ ابتری پائی جاتی ہے۔ وہاں القاعدہ جیسی جہادی تنظیمیں جڑ پکڑ رہی ہیں اور اسرائیل پر حملوں کی منصوبہ بندی کررہی ہیں۔ ایسے حملے جو لیبیا سے لوٹے گئے اسلحے کے ذخیروں سے مالا مال ہیں۔ تاہم اب اسرائیل اور حماس دونوں ہی جہادیوں کو ایک دشمن کے طور پر دیکھتے ہیں۔ لیکن حماس کمزور ہو یا طاقت ور، دونوں صورتوں میں اس کی مخالفت سینائی سے اسرائیل پر جہادیوں کے حملوں کے خطرات میں اضافہ کرتی ہیں۔ حماس کو اسرائیل کے ساتھ اپنے روابط میں سڑک پر کانٹے کی طرح ہونا چاہیے، جو غزہ کے ایک قابل احترام حکومت بننے اور مسلسل حملوں کے ساتھ اپنی سیاسی پوزیشن کو خطرے میں ڈالنے اور تشدد کے خاتمے کے درمیان کسی ایک چیز کا انتخاب کرے۔

اگرچہ حماس کے پاس کسی ایک انتخاب کی سہولت ہے۔ اسے حکومت کرنے کی صحیح آزادی نہیں دی گئی اور امن کا عمل تو ابھی شروع ہوا ہے، اس لیے حماس تشدد کو جاری رکھنے کا جواز فراہم کرسکتی ہے اور اپنے مستقل دعوے کہ مذاکرات محض دکھاوا ہے، کو دہرا سکتی ہے۔ نتیجتاً، حماس اس قابل ہوئی ہے کہ وہ امن اور حکمرانی کے نام پر اپنے عہدیداروں کے اختلافات، اگر کوئی ہوں، ختم کرسکے۔ درحقیقت حماس کے بہت سے لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ غزہ میں معاشی ترقی سے متعلق اسرائیلی رعایتیں اور علاقے میں سازگار تبدیلیاں حماس کو اور زیادہ مضبوط بنائیں گی۔ اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ حماس غزہ کی کمزور معیشت اور دیگر مسائل کی ذمہ داریوں کو ٹالنے میں کامیاب رہی ہے اور اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بین الاقوامی برادری اور اسرائیل غزہ میں نقصان کے ذمہ دار ہیں اور یہ کہ اس کی طرف سے تشدد کا استعمال اسرائیل کو بہتر رعایتیں دینے پر مجبور کررہا ہے۔

لہٰذا حماس، اہم معاملات پر، جیسے اسرائیل کی مزاحمت کی جائے یا اس کے ساتھ مل کر کام کیا جائے، اعتدال پسند اور سمجھوتہ نہ کرنے والی دونوں قوتوں کے طور پر سامنے آئی ہے۔ مشعل نے ۲۰۰۷ء میں رائٹرز کو بتایا کہ ہم ''۴ جون ۱۹۶۷ء کی پوزیشن پر فلسطینی ریاست قائم کرنے کی ضرورت پر متفق ہیں''۔[۱۰] ایک ایسی پوزیشن جو اسرائیل کے وجود کو متوازی تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ تاہم حماس واضح طور پر اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے اور ۲۰۱۲ء کے تنازعہ کے بعد، مشعل نے غزہ کے دورہ کے دوران اعلان کیا، ''فلسطین دریا سے سمندر اور جنوب سے شمال تک ہمارا ہے۔ اس خطے کی ایک انچ زمین پر بھی کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا''۔[۱۱] اپنے دوہرے مذاکرات کے لیے قیمت ادا کرنے کی بجائے حماس اعتدال پسند اور سخت گیر دونوں طرح سے پوائنٹ سکورنگ کر رہی ہے۔

حماس کا عروج یا الفتح کا زوال؟

مزید حیثیت حاصل کرنے میں حماس کی مدد کرنا، اعتدال پسند فلسطینیوں، اس کے ساتھ ساتھ امریکہ، اسرائیل، حامی عرب حکومتوں اور ان کی دوستی کا دعویٰ کرنے والے دیگر لوگوں کی بھی ناکامی ہے، جو ایک قابل اعتبار متبادل فراہم کرنے میں ناکام رہے۔ ۱۹۶۰ء سے فلسطینی سیاست میں الفتح غالب قوت تھی۔ تاہم ۱۹۸۷ء میں حماس کے ظہور سے اور بالخصوص ۲۰۰۰ء میں امن مذاکرات کی ناکامی کے بعد، الفتح اور روایتی لادین قوتیں کمزور ہوئی ہیں جبکہ حماس کی حمایت بڑھ گئی ہے۔

سال ۲۰۰۶ء میں حماس کے انتخابات میں فتح حاصل کرنے کے بعد امریکہ اور اسرائیل نے ایک ایسی صورت حال کی حوصلہ افزائی کی جس کا نتیجہ صفر ہو اور جو فلسطینیوں کو یہ بتائے کہ وہ حماس اور الفتح میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے، امریکی پالیسی نے واضح طور پر انتخاب کو اس طرح سے آسان بنانے کی کوشش کی کہ انہوں نے الفتح کو خوشحالی، بہتر طرزِ حکومت، بین الاقوامی جواز اور امن کے امکانات کا حامل قرار دیا۔ میں بھی مانتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حماس کا زور توڑنے کے لیے پالیسی عباس اور سلام فیاض جیسے معتدل فلسطینیوں کو

آگے لانا ہی ہوسکتی ہے (سلام فیاض، عباس کے وزیراعظم تھے جنہوں نے ۲۰۱۳ء میں وزارت چھوڑی)۔ نیز اقتصادی، دفاعی تعاون اور خاص طور پر مضبوط امن مذاکرات کے ذریعے اعتدال پسند فلسطین کی تعمیر کی جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ واشنگٹن کو ''اپنے لڑکے'' کی جیت یقینی بنانے میں کم ہی کامیابی ملی ہے۔ ۲۰۰۷ء میں غزہ پر حماس کی حکومت قائم ہونے کے بعد امریکہ نے معاشی ترقی، قانون کی حکمرانی، انسانی ہمدردی اور جمہوریت سے متعلق اصلاحات کی حمایت کی ہے تاکہ فلسطینیوں کی مدد کی جاسکے۔[۱۲] ان کے خاطر خواہ اثرات نہیں ہوسکے یہاں تک کہ کامیابیاں بھی کمزور بنیادوں پر ہوئی ہیں۔

مغربی کنارے میں فلسطینی معیشت اگرچہ ترقی تو کر رہی ہے لیکن اس کا بہت زیادہ انحصار بیرونی امداد پر ہے۔ بے روزگاری کی شرح بیس فیصد سے زائد ہے اور IMF نے فلسطینی اتھارٹی کی مالی صورت حال کو ''انتہائی مشکل''[۱۳] قرار دیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ غزہ میں صورت حال اس سے بھی زیادہ خراب ہے۔ اگرچہ درست ہے یا نہیں، حماس غیر فعال بین الاقوامی دباؤ کی جانب اشارہ کر کے کسی بھی ناکامی کو اپنے سر لینے سے بچ سکتی ہے جب کہ فلسطینی اتھارٹی کے پاس ایسا کوئی عذر نہیں ہے۔

بدعنوانی مستقل دردِ سر بنی ہوئی ہے۔ ایلیٹ اسرام، مشرقِ وسطیٰ کے لیے جارج ڈبلیو بش انتظامیہ کے نمائندہ خاص نے اس بات کی تصدیق کی کہ امریکہ اور اس کے مغربی اتحادیوں نے بدعنوانی کو اہمیت نہیں دی ''ہم نے اسے ایک بے وزن اور غیر اہم نوعیت کی چیز قرار دے کر اپنے آپ کو قائل کیا کہ اس سے اعراض کرنا ہوشیاری کی بات ہے'' اسرام آگے چل کر لکھتا ہے ''ہمارے ملک کے لیے یہ ایک بہت ہی تباہ کن پوزیشن تھی، جس سے فلسطینیوں کو یہ اشارہ ملا کہ ہم ان کے لیے مایوسی کا باعث بننے والے کرپشن کے مسئلے میں کسی قسم کی دلچسپی لینا نہیں چاہتے اور یہ کہ عرفات کو اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرانا چاہتے۔ اور اس بات سے یہ تاثر جاتا تھا کہ ہم عربوں اور خاص طور پر فلسطینی عربوں

سے، خالص ایمانداری کے حامل، عوامی اداروں کی توقع ہی نہیں رکھتے۔''[۱۴] اگرچہ بمشکل تمام ہی حماس خالص ہے، تاہم اس کے ہاتھ مقابلتہً صاف ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اب تک اقتدار سے باہر تھی۔ نتیجتاً اسے بدعنوانی کے لیے کم ہی وقت ملا۔

سیاسی اعتبار سے صورت حال اس سے بھی بدتر ہے۔ عباس نے اپنی حکومت کو جواز فراہم کرنے کے لیے انتخابات یا بالفاظِ دیگر جمہوری عمل کا استعمال نہیں کیا۔ وہ ہر طرح کی کشش سے عاری ہے اور اس کی حمایت اور ساتھ محدود ہے۔ فریڈم ہاؤس نے ۲۰۰۳ء میں مغربی کنارے میں میڈیا کے حوالے سے ماحول کو ''آزاد نہیں'' قرار دیا[۱۵] اور یہ کہ صحافیوں پر حملے عام ہیں۔ فلسطین میں انسانی حقوق کی تنظیموں نے باقاعدگی کے ساتھ فلسطینی سکیورٹی خدمات فراہم کرنے والوں کے ہاتھوں محصورین پر تشدد کی دستاویزات تیار کی ہیں۔[۱۶] مغرب نے بجا طور پر سابق وزیراعظم سلام فیاض کی جانب سے فلسطینی اداروں کی تعمیر اور قیام امن کی کوششوں کو سراہا لیکن داخلی محاذ پر اسے کم ہی حمایت حاصل تھی۔ (عباس نے فیاض کو کیوں استعمال کیا، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ مغربی امداد دینے والوں کو خوش کر سکتا تھا لیکن وہ عباس کے اقتدار کے لیے کوئی خطرہ نہ تھا۔ اس کو اتنی آسانی سے ایک طرف کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اندرونی طور پر اسے کوئی طاقت وَر حمایت حاصل نہ تھی) عباس کی حکومت ابھی تک اس وجہ سے اقتدار میں ہے کیونکہ حکومت کے سکیورٹی کے ادارے کسی اور متبادل گروہ کو منظم نہیں ہونے دیتے۔ عباس خارجہ پالیسی کے اعتبار سے اعتدال پسند ہیں لیکن داخلی طور پر آمر ہیں۔ جیسا کہ خود فیاض اب کہتے ہیں ''ہماری کہانی شروع سے لے کر اب تک ایک ناکام قیادت کی کہانی ہے۔''[۱۷]

ایک گروپ کی حیثیت سے الفتح کا نظریہ اب متحرک نہیں رہا اور اس میں اب فلسطینی نوجوانوں کی اکثریت کی حمایت حاصل کرنے کے لیے کم ہی کشش باقی رہ گئی ہے۔ پوری عرب دنیا میں مارکسسٹ اور بائیں بازو کی عرب نیشنلزم جو ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں خطے پر چھائی رہیں،

اب زوال پذیر ہیں اور سیاسی اسلام عروج کی جانب مائل ہے۔ الفتح کے قائد حسام قادر نے حماس میڈیا کے جریدے ''فلسطین الیوم'' کو بتایا: ''الفتح اب قابلِ رحم حالت میں ہے۔ یہ اپنی قیادت کے مکمل فقدان کے باعث اپنے بدترین دور سے گزر رہی ہے، جس سے اداروں کا کردار ختم اور محدود ہو کر رہ گیا ہے، الفتح عروج کی طرف گامزن نہیں ہے۔''[۱۸]

امن میں پیش رفت دور کی بات ہے اور معاہدہ ہونا اس سے بھی دور تر ___ اپنے عہدِ صدارت کے پہلے سال میں صدر باراک اوباما نے آبادکاروں کے معاملے پر خاموشی توڑ کر گیند کو آگے پھینکنے کی کوشش کی۔ اس کا الٹا اثر ہوا اور اس کے نتیجے میں اسرائیلی، امریکی کوششوں کے خلاف اکٹھے ہو گئے (اور صدر اوباما کے لیے طویل بنیادوں پر نفرت پیدا کی گئی) اگرچہ انہیں فلسطینیوں کا دل جیتنے میں بھی کم ہی کامیابی ملی۔

سیکرٹری آف اسٹیٹ جان کیری اگرچہ اس سال جولائی میں بات چیت بحال کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں تاہم انہیں کسی پیش رفت کے حصول میں مشکلات ہی کا سامنا ہوگا۔ قدامت پسند نیتن یاہو کی حکومت امن کے نام پر رعایتیں دینے کے حوالے سے شکوک وشبہات کا شکار ہے اور آدھے سے زیادہ اسرائیلیوں کا خیال ہے کہ فلسطینیوں کے ساتھ امن قائم نہیں ہوگا۔[۱۹] اگرچہ حالیہ انتخابات میں اعتدال پسندوں کو کچھ کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں، تاہم ان کا پلیٹ فارم سارے کا سارا گھریلو مسائل سے متعلق تھا اور انہوں نے یہ واضح کیا کہ مسئلہ فلسطین ان کی ترجیح نہیں ہے۔

فلسطینی اپنے طور پر منقسم ہیں اور ان کی امن پسندی کے حوالے سے لگائی جانے والی آوازیں سیاسی طور پر کمزور ہیں۔ حماس کے غزہ اور الفتح کے مغربی کنارے میں تقسیم نے کسی بھی فلسطینی رہنما کے لیے یہ بات مشکل بنا دی ہے کہ وہ فلسطینی عوام کی بات کرے اور اس طرح وہ اس قابل ہو کہ مذاکرات کی میز پر قابلِ اعتماد انداز میں رعایتوں کی بات رکھ سکے۔ (دراصل اس تقسیم کے باعث کوئی بھی سنجیدہ رعایت حریفوں کی طرف سے کسی غضب ناک مذمت کا باعث ہوگی۔) فلسطینی شکوک وشبہات اور

مایوسی اس کو اور زیادہ مشکل بنا دیتے ہیں۔ گزشتہ سال کیے گئے ایک سروے سے پتہ چلا کہ فلسطینیوں کی اکثریت سمجھتی ہے کہ دو ریاستی حل اب قابل عمل نہیں رہا اور دو تہائی فلسطینیوں کا خیال ہے کہ اگلے پانچ سالوں میں مذاکرات کی کامیابی کے امکانات ''کم یا نہیں پائے جاتے'' ہیں۔[۲۰]

اس ساری صورت حال میں مزید ابتری پیدا کرنے کے لیے، اسرائیل باقاعدگی سے زبانی طور پر رعایتیں دینے کی رٹ لگا کر اعتدال پسندوں کی مشکلات میں اضافے کا باعث بنتا ہے جب کہ وہ سب سے اہم معاملے یعنی اپنی سلامتی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ مینا چم بیگن، بمشکل ایک امن پسند ___ نے اعلان کیا کہ ''میں دوبارہ زور دے کر کہتا ہوں کہ ہم کسی سے یہ توقع نہیں رکھتے کہ وہ ہماری طرف سے یہ درخواست کرے کہ ہمارے باپ دادا کی زمین پر ہمارے وجود کے حق کو تسلیم کیا جائے''[۲۱] ۱۹۹۳ء میں یاسر عرفات نے امریکی اور بین الاقوامی مطالبات کے جواب میں اسرائیلی وزیر اعظم رابن کے ساتھ خط و کتابت کے تبادلے میں اعلان کیا کہ ''تنظیم آزادیٔ فلسطین (PLO) اسرائیلی ریاست کے وجود کو امن اور سلامتی کے ساتھ رہنے کا حق تسلیم کرتی ہے''۔ ۲۰۰۹ء میں، اگرچہ نیتن یاہو مزید آگے بڑھا اور مطالبہ کیا کہ اسرائیل کو ''یہودی ریاست'' کے طور پر تسلیم کیا جائے[۲۲] اور بعد ازاں اعلان کیا کہ عباس کو ''اپنی عوام، یعنی فلسطینی عوام کا سامنا کرنا چاہیے اور کہنا چاہیے کہ 'میں یہودی ریاست کو تسلیم کروں گا'۔''[۲۳] جیسا کہ مارٹن انڈک، کیری کے منتخب کردہ مذاکرات کار، کا ماننا تھا کہ ''ہر کوئی یہ کہانی گھڑ سکتا ہے کہ فلسطینی ایک یا کسی دوسرے انداز سے شدت پسند ہیں، خدا جانتا ہے کہ فلسطینیوں نے خود ایسی کہانیوں کو تقویت بخشی ہے۔ لیکن یہاں ایسے عناصر بھی پائے جاتے ہیں جو مسلسل حالات کو سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے وزیر خارجہ (ایوگ ڈور) لیبر مین تھے، جب وہ وزیر خارجہ تھے ___ انہوں نے اس سال سبان فورم پر کہا کہ جب تک فلسطینیوں کی سالانہ قومی پیداوار دس ہزار ڈالر سالانہ نہیں ہو جاتی اور جب تک وہ روسو اور والٹیئر کا مطالعہ نہیں کر لیتے، وہ ایک ریاست کے حق دار نہیں ہو سکتے۔'' پھر انڈک نے نشاندہی کی کہ اسرائیل کے پاس اس کی اپنی

ریاست اس وقت تھی جب اس کی سالانہ قومی پیداوار دس ہزار ڈالر سے خاصی نیچے تھی اور یہ کہ روسو اور والٹیئر دراصل فلسطینیوں کے نصاب میں شامل ہیں۔۲۴

اسرائیل کے لیے حقیقی کنجی فلسفہ نہیں بلکہ سلامتی ہے۔ فلسطینی سکیورٹی فورسز نے مغربی کنارے میں سلامتی فراہم کرنے کی بھاری ذمہ داری اٹھائی ہے تاہم ایسا کرنے کے بدلے میں انہیں بہت کم سیاسی فائدہ حاصل ہوا ہے۔ اصل توجہ مسلسل اور بہتر سکیورٹی پر دی جانی چاہیے اور اسے ہی معاہدے کی پیشگی شرط یا اصل روح ہونا چاہیے نہ کہ سیاسی طور پر مشکل لب ولہجہ، جس کا اسرائیلیوں کی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہے یا اگر ہے تو بہت کم۔

اس کی بجائے اسرائیلی حکومتیں، سکیورٹی کی اس معاونت کو نظرانداز کرتی دکھائی دیتی ہیں اور اس طرح تعاون کی اس اہم شکل کو خطرے میں ڈالتی چلی آئی ہیں۔ عباس نے اپنی سیاسی حیثیت کو بڑھانے کے لیے اسرائیل کے ساتھ معاہدہ کرنے کی سرتوڑ کوشش کی ہے لیکن اعتدال پسندی پر مبنی یہ پیغام کہ تشدد نہیں بلکہ مذاکرات ہی فلسطینی ریاست کے قیام کا سبب بنیں گے، بے سود ہوگا، اگر امن مذاکرات میں قابل ذکر پیش رفت دیکھنے میں نہ آئی۔ جب تک ایک آزاد ریاست کے قیام کے لیے واضح پیش رفت نظر نہ آئے، فلسطینی سکیورٹی فورسز اپنے ساتھی فلسطینیوں کو آزادی کے نام پر، امن کی میز پر لانے کے نام پر مقید اور دباؤ کا شکار کرتے رہیں گے۔ تاہم اگر کسی معاہدہ پر پہنچنے کی امید نہ ہو تو انہیں یہ تشویش لاحق ہوگی کہ تعاون کو قریبی تعلقات سمجھا جائے گا اور اگر سلامتی سے متعلق تعاون سیاسی لحاظ سے غیر پائیدار ہو جائے تو بڑے پیمانے پر دہشت گردی کے لوٹ آنے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

امریکہ سلامتی کے مسئلے کو تکنیکی مسئلے کے طور پر دیکھتا ہے اور اس میں بہتری کے لیے تربیتی اور تعاون کے دیگر ذرائع استعمال کرتا ہے لیکن سلامتی سے متعلق تعاون کا انحصار سیاسی بنیادوں پر ہوتا ہے۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں فلسطینی فورسز کے ساتھ اسرائیلی تعاون نے حماس کو دیوار سے لگا دیا تھا لیکن

جب امن مذاکرات میں تعطل پیدا ہوا تو سلامتی سے متعلق تعاون غیر معتبر ہو گیا۔ جب دوسری انتفاضہ کا آغاز ہوا تو کامیابی اچانک ناکامی میں بدل گئی: کچھ سکیورٹی فورسز نے تشدد کا راستہ اختیار کیا، جب کہ کچھ دیگر نے صرف دوسری جانب دیکھنے ہی میں عافیت جانی یا گھر چلے گئے۔ حالیہ تعاون کو بھی ایسی ہی ناکامی کے خطرے کا سامنا ہے کیونکہ فلسطینی سلامتی کے عہدیدار محسوس کر رہے ہیں کہ امن کے حوالے سے پیش رفت میں کمی کا مطلب ان کی سالمیت اور سیاسی حیثیت پر ناقابل تغیر سمجھوتے کے مترادف ہوگا۔

مختصراً یہ کہ عباس اور اعتدال پسندوں کی کارکردگی تسلی بخش نہیں ہے۔ فلسطینی معیشت اب بھی نازک صورت حال سے دوچار ہے، سلامتی سے متعلق تعاون کی سیاسی بنیادیں کمزور ہیں اور اس کی حکومت کا کوئی جمہوری جواز نہیں بنتا۔ امن مذاکرات کے ذریعے فلسطینی ریاست کے قیام کی عباس کی امید بھی اب تک بے سود ثابت ہوئی ہے۔ یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ فلسطینی اپنی قیادت سے سوال کر رہے ہیں اور وہ کسی متبادل حل کی طرف دیکھ رہے ہیں، اس لیے حماس ایک کھلے دروازے کو دھکا دے رہی ہے۔

فلسطینی عوام کی آواز بننا

حماس نے الفتح کی کمزوریوں، اسرائیلی پالیسیوں اور بین الاقوامی برادری کی جانب سے اعتدال پسند فلسطینی رہنماؤں کی حوصلہ افزائی میں ناکامی سے فائدہ اٹھایا ہے۔ حماس کے نقطۂ نظر کے مطابق درحقیقت اس نے فلسطینیوں کے باہمی اکھاڑے میں انتہائی اہم کامیابیاں حاصل کی ہیں اور عباس اور الفتح کی قیمت پر عام فلسطینیوں کے دلوں میں زیادہ معتبر جگہ بنائی ہے۔ ۲۰۰۷ء میں اقتدار میں آنے کے بعد، سب سے بڑا درپیش چیلنج صرف غزہ پر حکومت کرنا تھا جو جرائم، گروہی تصادم اور سماجی خدمات کے انحطاط میں گھرا ہوا تھا۔ بین الاقوامی تنہائی اور اس پر مستزاد شدید محاصرے نے مسئلے کو مزید گھمبیر بنا دیا تھا پھر بھی حماس اس چیلنج کے سامنے پوری قوت سے کھڑی ہوئی اور الفتح کے

پرانے ڈھانچے کی صفائی کرتے ہوئے زیادہ موثر متبادل نظام قائم کیا۔حماس نے امن و امان کی صورت حال بہتر کی اور غزہ کی پٹی کو منظم کرنے کے چیلنج سے خوش اسلوبی سے عہدہ برآ ہوئی۔حماس کا عسکری ونگ جو کبھی خودکش بمباری اور آسان مارٹر حملوں کے کام پر مامور تھا، اب ہزاروں مسلح فوجیوں اور زیادہ جدید ہتھیاروں کے نظام کے ساتھ باقاعدہ فوجی قوت میں تبدیل ہوگیا۔

اپنے حریفوں کی نسبت حماس بین الاقوامی حمایت کی بدولت پھل پھول رہی ہے۔عباس عرصہ دراز تک کہتا رہا کہ صرف اور صرف اس کی حکومت غزہ کی تنہائی ختم کرنے کے لیے درکار بین الاقوامی حمایت حاصل کرسکتی ہے اور یہ کہ وہ ہی فلسطینیوں کی موثر نمائندگی کرتے ہیں۔اب چونکہ حماس کی تنہائی ختم ہوگئی ہے، یہ دلیل اپنی افادیت کھو بیٹھی ہے۔

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ کہ اسرائیل نے نادانستہ طور پر اس کے حریفوں کے مقابلے میں حماس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔فلسطینیوں کی نظر میں حماس کی یہ دلیل کہ مذاکرات نہیں بلکہ طاقت رعائتیں دلاتی ہے، اب مسلسل سچ ثابت ہورہی ہے۔حماس کا دعویٰ کہ ۲۰۰۵ء میں اس کے راکٹ حملوں نے اسرائیل کو غزہ سے نکلنے پر مجبور کیا، مبالغہ آرائی پر مبنی ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ مذاکرات نے کام نہیں کیا۔اس کے نتیجے میں قیدیوں کا تبادلہ ہوا اور اسرائیل نے ایک ہزار سے زائد فلسطینیوں کو ایک اسرائیلی فوجی گیلا دشالت کے بدلے رہا کیا جس سے حماس کے موقف کو تقویت ملی اور اب ۲۰۱۲ء کے تصادم کے بعد اسرائیل غزہ پر اقتصادی پابندیاں نرم کرنے پر راضی ہوا ہے۔اس تمام عرصے کے دوران امن مذاکرات معطل رہے اور (یہودی) آبادکاریوں میں اضافہ ہوا...... جیسا کہ ایک فلسطینی نے ''نیویارک ٹائمز'' کو بتایا، حماس نے ''اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ مذاکرات کرنے والوں سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔عرفات کے دور میں ہم سوچا کرتے تھے کہ مذاکرات کے ذریعے امن قائم ہوسکتا ہے، لیکن اب کوئی بھی ایسا نہیں سمجھتا۔''۲۵

اگرچہ حماس مغربی کنارے میں تنظیمی اعتبار سے کمزور رہی ہے، تاہم اب یہاں بھی اس کی

پوزیشن مستحکم ہورہی ہے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ مغربی کنارے میں حماس کو کتنی مقبولیت حاصل ہے کیونکہ آمرانہ ریاستوں میں سروے کرنا قابل اعتماد نہیں ہوتا پھر بھی کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ صدارتی انتخابات میں حماس، الفتح کو شکست دے دے گی۔[۲۶] لیکن اسرائیلی اور فلسطینی اتھارٹی کے اہلکاروں کے دباؤ نے یہاں حماس کے فریم ورک کو تباہ کیا ہے۔ چوں کہ غزہ کی نسبت مغربی کنارے میں زیادہ فلسطینی رہائش پذیر ہیں، حماس اگلے قدم کے طور پر وہاں دخل اندازی کا ارادہ رکھتی ہے۔

الفتح کے اندر اختلافات اور کمزوریاں نیز اسرائیل کی جانب سے مذاکرات کی میز پر عباس کے الفاظ کے مقابلے میں حماس کے تشدد کے استعمال کو زیادہ توجہ دینے سے، حماس دن بہ دن مضبوط ہوتی جارہی ہے۔ دسمبر ۲۰۱۲ء کے ایک سروے میں فلسطینیوں سے پوچھا گیا کہ ''حماس، اسرائیل اور اقوامِ متحدہ کی طرف سے فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کو دیکھا جائے تو اسرائیلی قبضے کے خاتمے اور فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے کس کا طریقہ بہترین ہے؟ حماس کا طریقہ کار یا عباس کا؟'' ۶۰ فیصد نے کہا کہ حماس کا طریقہ، صرف ۲۸ فیصد نے کہا کہ عباس کا۔

حماس کے عروج کے مضمرات

ایک بااختیار حماس سے امن کی کم ہی امید ہے۔ اس سے فلسطینی معاشرے میں ایک غیر جمہوری اور غیر لبرل قوت کی حامل طاقت ابھرے گی اور اس سے ۲۰۱۲ء سے کہیں زیادہ خونی تصادم کے لوٹ آنے کا خطرہ ہوگا۔ اب الفتح کے غبارے سے ہوا نکل جانے کے بعد دنیا کو یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ اسلامی تحریک یہاں پر قائم رہنے کے لیے ہے اور یہ شاید فلسطین کے مستقبل کی نمائندگی بھی کرے۔

حماس کے ساتھ زیادہ براہِ راست کام کرنے کے حوالے سے ایک تنقید یہ بھی کی جاتی ہے کہ ایسا کرنا فلسطینی اعتدال پسندوں کی کمزوری ہے۔ یہ بات درست ہے لیکن اعتدال پسند پہلے ہی بہت کمزور ہیں۔ دراصل سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا عباس کو معاہدہ کرنے کے لیے کوئی قانونی حیثیت حاصل

ہے اور اگر وہ معاہدہ کر بھی لے تو کیا اس کے پاس اپنے کیے گئے وعدوں پر عمل درآمد کے لیے سیاسی اثر ورسوخ ہے؟ اسرائیلیوں کو خدشہ ہے کہ حماس ایک دن مغربی کنارے میں الفتح کی جگہ لے لے گی اور یہ خطرہ خود بخود پورا ہونے والی ایک پیشن گوئی ہے کیونکہ اسرائیل کا مغربی کنارے میں موجود رہنا عباس کی ساکھ کو خطرے میں ڈالنا اور حماس کو تقویت دینا ہے۔ مزید برآں سروے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فلسطینیوں کے مغربی کنارے پر تنقید کے برعکس، غزہ کے رہائشی حماس پر زیادہ تنقید کرتے ہیں جو ''مزاحمت'' پر خوش ہوتے ہیں جبکہ غزہ کے رہائشی حماس کی جارحیت کی قیمت ادا کر رہے ہوتے ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ بیرونی امداد سے یہ کمزوری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ مغربی کنارے میں فلسطینی معیشت کا انحصار مغربی امداد پر ہے، جس سے عباس فلسطینیوں کے سامنے کم جواب دہ ہوتے ہیں اور اسے زیادہ تنقید کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ یہ دونوں باتیں وہاں پر جمہوری عمل کی موجودگی کا سبب ہیں۔ بہت ہی کم سطح پر کسی بھی امداد میں بدعنوانی کے خلاف اقدامات کی ضرورت ہے اس لیے امریکہ کی مدد کرنے کی کوشش، اس مسئلے کو زیادہ سنگین نہیں بنائے گی۔

لیکن اگر بے عملی سے اعتدال پسند مزید کمزور ہوتے ہیں تو اس کا واحد متبادل یہ ہے کہ حماس کو تشدد سے روکنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی جائے۔ حماس کے غزہ میں اقتدار سنبھالنے سے لے کر اب تک امریکہ ان نام نہاد ''شرائط'' سے چمٹا ہوا ہے جو اقوام متحدہ، یورپی یونین، روس اور امریکہ نے مل کر طے کر رکھی ہیں جن کے تحت حماس پر لازم ہے کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کرے۔ سابقہ معاہدوں کی پاسداری کرے اور تشدد کا راستہ ترک کر دے۔ یہ حتمی مقاصد رہیں گے لیکن تشدد کا راستہ ترک کر دینا اسرائیل کو تسلیم کرنے سے زیادہ اہم اور کسی بھی اعتبار سے پہلا ضروری قدم ہے۔ امریکی پالیسی میں اس ترجیح کو تسلیم کیا جانا چاہیے، بالخصوص جیسا کہ حماس کی پوزیشن مستحکم ہونے کے امکانات ہیں۔

امریکہ حماس کو اس وقت تک تسلیم نہ کرے جب تک کہ وہ تشدد کی دوٹوک الفاظ میں مذمت نہ کرے لیکن وہ اس معاملے کو آگے بڑھانے کے لیے اپنے اتحادیوں کو استعمال کر سکتا ہے کیونکہ ترکی

اور قطر جیسے اہم امریکی اتحادی اپنے طور پر حماس سے رابطے میں رہ چکے ہیں اس لیے امریکہ اسرائیل کے ساتھ مذاکرات میں کچھ طے کرنے کے لیے حماس کو مخالفت نہ کرنے اور تشدد سے دور رہنے کے حوالے سے ان دونوں ممالک کی حوصلہ افزائی کرسکتا ہے۔ ان دونوں ممالک کی ایران کے ساتھ ذاتی مخاصمت، جو حماس کو تشدد پر اکسانے میں حوصلہ افزائی کا باعث ہے، انہیں یہ کام کرنے میں مددگار ثابت ہوگا (حماس بھی سیاسی طور پر ایران سے اپنے تعلقات گنوا بیٹھی ہے کیونکہ ایران زیادہ تر سنی اسلام پسندوں کے ہاں غیر مقبول ہے)۔ حماس کے نقطۂ نظر سے دیگر عرب اور مسلم ریاستوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنا اس کے قانونی جواز کو تقویت دینے کا باعث ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے کچھ مقاصد متشدد ذرائع کی بجائے سیاسی طور پر حاصل کرسکتا ہے۔

خاص طور پر مصر، غزہ سے اپنی قربت، سینائی پر اس کے کنٹرول اور صدر مرسی کی اخوان المسلمون سے تعلقات کے باعث اثر ورسوخ رکھتا ہے۔ جون ۲۰۱۳ء میں مظاہروں اور جولائی ۲۰۱۳ء میں فوج کے اقتدار پر قبضے کے بعد مصر میں افراتفری اور غیر یقینی صورت حال کے باعث حماس کے حوالے سے مستقبل میں مصر کا کردار واضح نہیں ہے۔ مصر میں اخوان کے دور حکومت میں یہ خدشہ کہ مصر اپنے روحانی بھائی حماس سے بغل گیر ہونے کے لیے جلدی کرے گا اور اسرائیل مخالف تشدد کی حوصلہ افزائی کرے گا، غلط ثابت ہوا۔ مصر اپنی سرحد پر اسرائیل کے ساتھ تعاون کے لیے آگے بڑھا ہے اور یہاں تک کہ اس نے حماس کے ٹنلز کو گندے پانی سے بھر دیا۔ دوسرے الفاظ میں قاہرہ سب کو یہ اشارہ دے رہا تھا کہ اس نے حماس اور غزہ سے متعلق جو کچھ کہا، اس کے مقابلے میں اسے داخلی طور پر بین الاقوامی قبولیت اور خوشحالی کا زیادہ خیال ہے۔ فوجی اثر ورسوخ کے حامل دور حکومت میں اس داخلی مسئلے پر زیادہ توجہ دی جانے کی توقع ہے اور یہ دور حکومت کچھ ایسا کرنے سے ہوشیار رہے گا جس سے غزہ میں اس کے اتحادی سمجھے جانے والے کی مدد کے ساتھ مصر میں اخوان کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہو۔

مصر میں حکومت کی تبدیلی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے واشنگٹن حماس کو تشدد سے دور رکھنے کے لیے مصری حکومت کو مزید اقدامات کا کہہ سکتا ہے۔ مصر میں اخوان المسلمون کی حکومت کے خاتمے سے حماس کے رہنماؤں کی بین الاقوامی حمایت اور مزید لادین قوتوں کے زوال کے حوالے سے اعتماد میں کمی آئی ہے۔ لیکن اس تناظر میں ترغیبات اور دھمکیاں زیادہ معنی خیز ہوگئی ہیں۔

مختصراً، اگر فلسطینی تحریک ''تشدد'' کے ماڈل سے دور رہنے کی صورت میں قیمت ادا کرتی ہے تو امریکہ حماس کے مزید سفارتی عروج کو برداشت کرسکتا ہے۔ اسرائیلی پالیسی زمینی مواقع کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہوئے حماس کو غزہ پر حکومت کرنے میں اس صورت میں توسیع دے سکتی ہے کہ اگر وہ تشدد کا استعمال نہ کرے۔ اگر حماس تشدد کی حمایت جاری رکھتی ہے تو مضبوط امریکی حمایت کے ساتھ اسرائیل بیک وقت حماس کے میزائلوں کے خلاف اپنا دفاعی نظام مضبوط کرے گا (اور جب ضرورت پڑی) طاقت کا استعمال کرے گا۔

حماس کے طرزِ عمل میں تبدیلی لانے کی کوشش کرنا دو وجوہات کی بنا پر ضروری ہے: ایک یہ کہ شاید اعتدال پسندوں کو تقویت دینے میں ناکامی ہو اور دوسرے یہ کہ حماس کے پاس امن عمل کو روکنے کی طاقت برقرار رہے۔ دراصل، اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان امن کے حوالے سے تمام عمومی اور (جائز) دلائل کے علاوہ ایک پرامن سمجھوتے سے اس بات کے امکانات روشن ہیں کہ حماس فلسطینی عوام کی غالب آواز بن کر نہیں ابھرے گی۔ اس لیے کہ اگر مذاکرات ناکام ہوتے ہیں اور فلسطینی اعتدال پسند لڑکھڑانا شروع ہوجاتے ہیں تو حماس ایک فاتح کے طور پر ابھرے گی۔

[ڈینیل بے مین جارج ٹاؤن اسکول آف فارن سروس میں سکیورٹی اسٹڈیز پروگرام میں پروفیسر ہیں، وہ بروکنگز کے سبان سنٹر میں ریسرچ ڈائریکٹر بھی ہیں۔ وہ ایک کتاب کے مصنف ہیں۔ کتاب کا نام ہے:

[A High Price: The Triumphs and Failures of Israeli

Counterterrorism (New York: Oxford University Press, 2011)]

(ترجمہ: منزہ صدیقی)

Source: Daniel Byman, "The Washington Quarterly," 36:3 pp. 63-76. http://dx.doi.org/10.1080/0163660X.2013.825550

حواشی

1. As quoted in Azzam Tamimi, *"Hamas: A History from Within,"* (Olive Branch Press, 2007), pg. 189.

2. R. Kim Cragin, "Palestinian Resistance Through the Eyes of Hamas," (Ph.D dissertation, Clare College, Cambridge, 2008), p. 114.

حماس کے پہلے حملے کے دعوے کے بارے میں معلومات کے لیے دیکھیے:

Robert Kook, "Israel Returns to Deportation Policy for Arabs," *United Press International,* December 16, 1990, and Ghassan Charbel, "The Khaled Mishaal Interviews," Dar al Hayat, December 5, 2003.

3. Sara Roy, "Changing Political Attitudes among Gaza Refugees," *Journal of Palestine Studies* 19, no. 1 (1989): 77, http://www.jstor.org/discover/10.2307/2537246?uid=3739584&uid=2&uid4&uid3739256&sid=2110230823718.

4. Zaki Chehab, *Inside Hamas: The Untold Story of the Militant Islamic Movement,* (New York: I.B. Tauris & Co Ltd, 2007), 43.

5. Adam Shatz, "Why Israel Didn't Win," *London Review of Books* 34, no. 23, (December 2012): pg. 3-5, http://www.lrb.co.uk/v34/n23/adam-shatz/why-israel-didnt-win.

6. "Hamas: Gaza and U.N. Recognition Go Together," *Reuters,* November 30, 2012, http://forward.com/articles/166995/hamas-gaza-and-un-recognition-go-together/.

7. International Crisis Group, "Light at the End of Their Tunnels? Hamas & the Arab Uprisings," Middle East Report no. 129, August 14, 2012, p. 12, http://www.crisisgroup.org/~/media/Files/Middle%20East%20North%20 Africa/Israel%20Palestine/129-light-at-the-end-of-their-tunnels-hamas-and-the-arab-uprisings.pdf.

8. "Gazans Say 'Thank You Iran', for Missiles Used against Israel," *Haaretz*, November 27, 2012, http://www.haaretz.com/news/diplomacy-defense/gazans-say-thank-you-iran-for-missiles-used-against-israel-1.480982.

9. Ethan Bronner, "Hamas Strengthens as Palestinian Authority Weakens," *New York Times*, November 19, 2012, http://www.nytimes.com/2012/11/20/world/middleeast/hamas-strengthens-as-palestinian-authority-weakens.html?pagewanted=all&_r=0.

10. "Q&A with Hamas Leader Khaled Meshaal," *Reuters*, January 10, 2007, http://www.reuters.com/article/2007/01/10/us-palestinians-meshaal-text-id USL1046412720070110.

11. Abeer Ayyoub and Harriet Sherwod, "Tens of Thousands Celebrate Hamas 'Victory' Rally as Exiled Leader Returns," *The Guardian*, December 8, 2012, http://www.guardian.co.uk/world/2012/dec/08/hamas-gaza-palestine-khaled-meshaal-israel.

12. Jim Zanotti, "U.S. Foreign Aid to the Palestinians," Congressional Research Service, June 15, 2012, pg. 6 and 11, http://www.fas.org/sgp/crs/mideast/RS22967.pdf.

13. "West Bank and Gaza-Economic Update," International Monetary Fund, May 24, 2012, http://www.imf.org/external/country/WBG/RR/2012/052412.pdf.

14. Natasha Mozgovaya, "U.S. lawmakers slam Mahmoud Abbas for alleged corruption," *Haaretz*, July 11, 2012, http://www.haaretz.com/news/diplomacy-defense/u-s-lawmakers-slam-mahmoud-abbas-for-alleged-corruption-1.450279.

15. "Middle East and North Africa," Freedom House, http://www.freedomhouse.org/regions/middle-east-and-north-africa.

16. "Palestinian Centre for Human Rights Annual Report 2011," Palestinian Centre for Human Rights,
http://www.pchrgaza.org/files/2012/Annual2011E.pdf.

17. Roger Cohen, "Fayyad Steps Down, but Not Out," May 3, 2013, *New York Times*,
http://www.nytimes.com/2013/05/04/opinion/global/Roger-Cohen-Fayyad-Steps-Down-Not-Out.html?pagewanted=all&_r=0.

18. Geoffrey Aronson, "Will Hamas Make Bid For PLO Leadership?" Al Monitor, December 10, 2012, http://www.al-monitor.com/pulse/originals/2013/01/hamas-khaled-meshaal-plo.html.

19. Shibley Telhami, "Israeli Public Opinion after the November 2012 Gaza War," Brookings Institution, November 30, 2012,
http://www.brookings.edu/research/presentations/2012/11/30-israel-public-opinion-telhami.

20. "Palestinian Attitudes on Peace Prospects," Jewish Virtual Library, updated April 2012,
http://www.jewishvirtuallibrary.org/jsource/Society_&_Culture/palpopeace.html.

21. Yonatan Touval, "A Recognition Israel Doesn't Need," *The New York Times,* May 12, 2009,
http://www.nytimes.com/2009/05/13/opinion/13iht-edtouval.html?_r=0.

22. "Full text of Netanyahu's Foreign Policy Speech at Bar Ilan," *Haaretz,* June 14, 2009,
http://www.haaretz.com/news/full-text-of-netanyahu-s-foreign-policy-speech-at-bar-ilan-1.277922.

23. Herb Keinon, "Netanyahu: Abbas must say he accepts 'the Jewish State," *The Jerusalem Post,* June 24, 2011,
http://www.jpost.com/VideoArticles/Video/Article.aspx?id=226378.

24. "The Israeli Elections: What Do They Mean for the United States?" transcript of panel discussion, Brookings Institution, January 24, 2013,
http://www.brookings.edu/~/media/events/2013/1/24%20israel%20elections/20130124_israel_elections_transcript.

25. Neil MacFarquhar, "Sunni Leaders Gaining Clout in Mideast," *The New*

York Times,
http://www.nytimes.com/2012/11/28/world/middleeast/sunni-leaders-gaining-clout-in-mideast.html?pagewanted=2&_r=0.

26. Amira Hass, "Palestinian Poll: Hamas' Haniyah Would Win PA Presidency Over Abbas," *Haaretz,* December 17, 2012,
http://www.haaretz.com/news/middle-east/palestinian-poll-hamas-haniyeh-would-win-pa-presidency-over-abbas.premium-1.485429.

27. "Joint Israeli Palestinian Poll," press release, Palestinian Center for Policy and Survey Research, December 26, 2012,
http://www.pcpsr.org/survey/polls/2012/p46ejoint.html.